اسلامی شریعت کے بُنیادی ضابطے

حسن احمد الخطیب المصری ۔ ترجمہ خلیل حامدی

(۳)

تیرھواں ضابطہ | من استعجل الشئ قبل اوانہ عوقب بحرمانہ" جس نے وقت سے پہلے کسی چیز کو حاصل کیا وہ اس چیز سے محروم ہونے کا مستوجب ہوگا"۔ اسی سے ملتا جلتا فقہاء کا یہ قول بھی ہے من فعل فعلا بقصد محرم عوقب بنقیض قصدہ "جس نے کوئی فعل حرام مقصد سے کیا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا وہ مقصد پورا نہ ہونے دیا جائے"۔ اس قاعدے کے تحت کئی فروعی مسائل مرتب ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو اُس کی رضامندی کے بغیر مرض الموت میں اِس غرض کے لیے طلاق بائن دے دی کہ وہ میراث سے محروم ہوجائے تو ایسی طلاق کے باوجود وہ وارث ہوگی۔ اسی طرح جس نے اپنے مُورث کو ناحق قتل کر دیا ہو وہ میراث سے محروم ہوجائے گا۔

الاشباہ میں آٹھ مسائل کو اِس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اذا قتل الدائن مدینہ، فانہ یحل دینہ "اگر قرض خواہ نے قرضدار کو قتل کر دیا ہو تو اس کا قرض کالعدم نہ ہوجائے گا"۔ اور اگر ایک عورت نے حیض لانے والی دوا پی لی اور اسے حیض آنے لگا تو اس کے باوجود ایامِ حیض کی قضا شدہ نمازیں ادا کرنا اس پر واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بچے والی لونڈی نے اپنے آقا کو جس کے نُطفے سے اس کا بچہ پیدا ہوا ہے، قتل کر دیا ہو تو اس کے باوجود وہ آزاد ہوجائے گی۔

چودھواں ضابطہ | الیقین لا یزول بالشک "یقین شک سے زائل نہیں ہوتا"۔ اس کے ثبوت کے لیے صحیحین میں عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے شکایت کی کہ نماز پڑھتے ہوئے اسے خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کی ریح خارج ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا لا ینصرف حتیٰ

یسمع صوتاً، او یجد ریحاً" وہ نماز نہ توڑے جب تک کہ وہ کوئی آواز نہ سنے یا بُو نہ محسوس کرے" فقہا نے اس ضابطے کو بڑی وضاحت کے ساتھ اکثر بیان کیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ فقہ کے تمام ابواب میں اس کا دخل ہے اور فقہ میں اس سے استنباط کردہ مسائل تین چوتھائی سے بھی زیادہ ہیں[1]۔ قرافی نے الفروق میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: کل مشکوک فیہ یجعل کالمعدوم الذی یجزم بعدمہ "ہر مشکوک چیز معدوم کی مانند ہے گویا کہ اس کے نہ ہونے کا یقین ہو" اور کل مشکوک فیہ ملغی فی الشریعۃ "ہر مشکوک بات شریعت میں لغو ہے" الاشباہ والنظائر میں اس قاعدے سے بھی بعض مسائل کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

اس ضابطے کے تحت چند اہم مسائل آتے ہیں:

(۱) ہر چیز اپنی اصل پر برقرار رہتی ہے جب تک کہ اس کے زائل ہوجانے کا یقین یا گمان غالب نہ ہو۔ مثلاً کسی کو باوضو ہونے کا یقین ہو اور بے وضو ہونے کا شک تو وہ باوضو ہی ہوگا، اور جسے بے وضو ہونے کا یقین ہو اور باوضو ہونے کا شک تو وہ بے وضو متصور ہوگا۔ اسی قاعدے کے تحت فقہاء نے راستوں کی مٹی کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اگر کوئی بچہ کہیں پڑا ہوا مل جائے تو وہ ہر لحاظ سے آزاد متصور ہوگا، کیونکہ اصل بنیاد انسان کی آزادی ہے جس کے لیے ثبوت کی حاجت نہیں، البتہ کسی کے غلام ہونے کے لیے ثبوت درکار ہے۔ محض شک یا احتمال کی بنا پر اسے غلام نہیں سمجھا جاسکتا۔

اگر زید کا ایک ہزار روپیہ قرض ابراہیم کے ذمے تھا اور ابراہیم نے اس کی ادائیگی یا اس سے بری الذمہ ہونے کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔ اس کے بعد زید نے اگر یہ ثبوت پیش کیا کہ ابراہیم کے ذمے اس کا ایک ہزار روپیہ قرض ہے، تو زید کا ثبوت اس وقت تک قابلِ قبول نہ ہوگا جب تک کہ وہ یہ ثابت نہ کردے کہ یہ رقم پہلا قرض ادا ہونے کے بعد لی گئی ہے۔ کیونکہ ابراہیم کے پیش کردہ ثبوت نے پہلے قرض سے اس کو بری الذمہ کر دیا تھا، لہٰذا احتمال کی بنا پر کوئی حکم عائد نہیں ہوگا۔

---

[1] الحموی ص ۸۵ جلد اول طبع ۱۹۲۰ھ

(ب) دراصل ہر شخص بری الذمہ ہوتا ہے۔ اس لیے خلافِ اصل ہونے کی وجہ سے مدعی سے اس کے دعوے کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے اور جب تک ثبوت نہ ملے مدعیٰ علیہ کے قول کو تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا بری الذمہ ہونا اصل کے مطابق ہے۔ اگر مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان غصب شدہ یا تلف شدہ چیز کی قیمت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جس پر تاوان عائد ہوتا ہے اس کی بات مانی جائے گی کیونکہ اصل کے قاعدے کے مطابق وہ زائد کے تقاضے سے بری الذمہ ہے۔

(ج) اسی اصل کی بنیاد پر واقعے کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ مثلاً ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اسے مرض الموت میں طلاق بائن دی تھی اور اس طرح وہ اسے میراث سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے وراثت ملنی چاہیے۔ اور ورثاء نے کہا کہ اس کے شوہر نے صحت کی حالت میں طلاق دی تھی اس لیے وہ وارث نہیں بن سکتی۔ یہاں قول عورت کا تسلیم کیا جائے گا اور اسے وارث بنایا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنے کسی وارث کے حق میں کسی چیز کا اقرار کیا اور پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جس کے حق میں اقرار کیا گیا تھا اس نے دعویٰ کیا کہ اقرار حالتِ صحت میں کیا گیا تھا، اور دوسرے ورثاء نے کہا کہ یہ حالتِ مرض میں ہوا تھا۔ اس صورت میں وارثوں کا قول تسلیم کیا جائے گا۔ البتہ وہ شخص ثبوت پیش کر سکتا ہے اور اگر ثبوت پیش نہ کر سکے تو وہ ورثاء سے حلف بھی اٹھوا سکتا ہے۔

اگر ایک شخص نے نماز پڑھی اور پھر اس نے اپنے کپڑے پر نجاست دیکھی اور وہ نہیں جانتا کہ نجاست اسے کب لگی تھی تو وہ اُس آخری وقت سے نماز لوٹائے گا جب سے وہ بے وضو ہوا ہے۔

(د) استصحاب۔ الاشباہ میں اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد کسی ایسے تحقیق شدہ امر کے باقی رہنے کا حکم لگانا ہے جس کے نہ ہونے کا کوئی گمان نہ ہو۔ اور اس سے زیادہ واضح بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی بات کسی وقت ثابت ہو چکی ہو تو دوسرے وقت بھی اس کے ثبوت کا حکم لگایا جائیگا۔ یہ دو طرح پر ہے:

(۱) یہ کہا جائے کہ فلاں بات چونکہ ماضی میں ثابت ہے اس لیے حال میں بھی وہ ثابت ہے۔ اسی بنا پر مفقود الخبر کو زندہ سمجھا جاتا ہے۔ (۲) یہ کہا جائے کہ فلاں بات چونکہ حال میں ثابت ہے اس لیے ماضی میں بھی اس کے ثابت ہونے

کا حکم لگایا جائے گا۔ مثلاً ایک عیسائی مر جائے، اور اس کی مسلمان بیوی آکر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہے مگر ورثاء یہ کہیں کہ وہ اس کی موت سے قبل مسلمان ہوگئی تھی۔ اس صورت میں ورثاء کا قول تسلیم کیا جائے گا اور عورت کا دعویٰ ثبوت کے بغیر تسلیم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ میراث سے محرومی کا سبب حال میں موجود ہے اس لیے ماضی میں بھی اس کو ثابت سمجھا جائے گا۔

استصحاب کو حجت ماننے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ہر حالت میں حجت ہے دفع میں بھی اور اثبات میں بھی۔ بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ وہ بالکل شرعی حجت نہیں ہے۔ ابن نجیم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بعض اور علماء نے کہا ہے کہ یہ دفع کے لیے تو حجت ہے مگر استحقاق کے لیے نہیں۔ یعنی جو چیز ثابت نہ ہو اسے اس اصول کی بنا پر دفع تو کیا جا سکتا ہے لیکن استحقاق ثابت کرنے کے لیے یہ اصول استعمال نہیں ہو سکتا اور نہ فریقِ مخالف کے مقابلے میں اس سے کوئی دلیل لائی جا سکتی ہے۔ اس قول کو ابو زید، شمس الائمہ اور فخر الاسلام جیسے اکابر علماء نے اختیار کیا ہے اور احناف کے ہاں بھی اس رائے کو معتبر مانا گیا ہے۔ چنانچہ آپ احناف کی کتابوں میں اس مشہور قاعدے کو اکثر پائیں گے کہ الاستصحاب حجۃ تصلح للدفع لا للاستحقاق، یعنی استصحاب دفع کے لیے تو حجت بن سکتا ہے مگر استحقاق کے لیے نہیں۔

اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ اگر ایک مشترکہ گھر کا ایک حصہ فروخت ہوا ہو، اور شریک نے شفعہ کا مطالبہ کر دیا ہو، اور جواب میں خریدار نے اس بات کا انکار کر دیا ہو کہ جو حصہ اس نے لیا ہے اس کی ملکیت میں مطالبہ کرنے والے کا کوئی حصہ ہے تو قول خریدار کا معتبر ہوگا اور مدعی کو شفعہ کا حق ثبوت کے بغیر نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ استصحاب مدعیٰ علیہ کو قائل کرنے کے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح احناف کے نزدیک مفقود الخبر کی وفات کا جب تک یقینی فیصلہ نہ ہو جائے نہ مفقود الخبر وارث بنتا ہے اور نہ اس کے مال کا کوئی وارث بن سکتا ہے۔

پندرھواں ضابطہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حتی یدل الدلیل علی عدم الاباحۃ "اشیاء میں اصل چیز اباحت ہے جب تک کہ کسی چیز کے مباح نہ ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔" امام شافعیؒ اور

بعض حنفی علماء کا یہی مسلک ہے جن میں کرخی بھی شامل ہیں۔ اس قاعدہ کی دلیل یہ آیت ہے خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا "روئے زمین پر جو کچھ بھی ہے سب اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے"۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ہمارے لیے پیدا کر کے ہم پر احسان کیا ہے، اور احسان کا سب سے بڑا اقتضا یہ ہے کہ ان چیزوں سے استفادے کا حق حاصل ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت، الا یہ کہ حرمت کے لیے کوئی دلیل شرعی موجود ہو۔ بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ الاصل فیہا الحظر "اشیاء میں اصل چیز ممانعت ہے"۔ امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ درحقیقت ہر چیز حرام ہے جب تک اس کے مباح ہونے کا ثبوت نہ مل جائے۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ الاصل فیہا التوقف "اشیاء میں اصل چیز توقف ہے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کے بارے میں حکم کا معلوم ہونا ضروری ہے اور جب تک حکم معلوم نہ ہو اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں توقف کیا جائے، لیکن ہم عقل سے حکم معلوم نہیں کر سکتے ہیں[1]۔

سولھواں ضابطہ: الخراج بالضمان۔ اور اس سے ملتا جلتا قاعدہ ہے الغنم بالغرم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا نفع اسی کا حق ہے جو اس کے قیام و بقاء اور اس کے نقصان کا ضامن ہو۔ خراج سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی شئے سے نکلے۔ مثلاً درخت کا خراج اس کا پھل ہے، اور حیوانات کا خراج ان کا دودھ اور ان کی نسل ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ خراج سے مراد کسی چیز کے منافع ہیں۔ اور ان کا حق دار وہی شخص ہے جس کی ضمانت میں اصل چیز ہو، اور ضمانت سے مراد ملک ہے۔ اسی قاعدے کے فروع میں سے وہ مسائل ہیں جنہیں حنفی فقہاء نے باب خیار العیب میں بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اضافہ جو اصل چیز میں شامل نہ ہو، جیسے کسب اور پیداوار، وہ اس امر میں مانع نہ ہوگا کہ فروخت شدہ چیز کا عیب ظاہر ہونے کے بعد اس کی بیع رد کر دی جائے۔ رد کرنے سے پہلے جو فائدہ خریدار نے اس اضافے سے حاصل کیا ہے وہ خریدار ہی کا حق ہوگا، کیونکہ وہ اضافہ دراصل فروخت کردہ چیز کا جزء نہ تھا اور خریدار قیمت کے بدلے میں اس اضافے کا مالک نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ چونکہ اپنے قبضے کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں الاشباہ والنظائر مع شرح حموی۔ اور ارشاد الفحول ص ۱۷، طبع ۱۳۴۹ھ۔

زمانے میں اس چیز کا ضامن تھا اس لیے وہی اس کے نفع کا حقدار بھی تھا۔ اگر اسی زمانے میں کوئی نفع حاصل کرنے کے بجائے وہی چیز ضائع ہو جاتی، تو ظاہر ہے کہ خریدار ہی کو اس کا نقصان اٹھانا پڑتا۔

یہ قاعدہ اس حدیث پر مبنی ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام خریدا اور وہ اس کے پاس ایک مدت تک رہا۔ پھر اس نے اس غلام میں عیب پایا اور اسے واپس کرنے لگا۔ غلام کے سابق مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعویٰ پیش کیا۔ آپ نے خریدار کے حق میں فیصلہ دیا اور غلام واپس کرا دیا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنے قبضے کے دوران میں اس غلام کو استعمال کیا ہے۔ حضورؐ نے جواب دیا: الخراج بالضمان ''نفع سے استفادہ ضمان (ذمہ داری) کی بنا پر ہے''۔

سترھواں ضابطہ: الامور بمقاصدھا ''معاملات کا دارومدار مقاصد پر ہے''۔ اسی بنا پر ایک ہی فعل نیت کے فرق کے باعث حلال بھی ہو سکتا ہے اور حرام بھی۔ مثلاً: ایک مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کیا۔ اس فعل کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار اس پر ہے کہ اس کس نیت سے ایسا کیا ہے۔ اگر اس نے کسی شرعی سبب کے بغیر یہ کام کیا ہے تو اس کا فعل حرام ہے۔ اور اگر کوئی شرعی سبب ہے تو اس کا یہی فعل حرام نہیں ہے۔ اسی طرح گری پڑی چیز کی مثال ہے۔ اگر ایک شخص نے اسے نیک نیتی سے اٹھایا تاکہ وہ اس کے مالک کو ڈھونڈ کر اسے یہ چیز واپس کر دے گا تو یہ فعل حلال ہے۔ لیکن اگر اس نے اپنے لیے اٹھا لیا تو وہ غاصب اور گناہ گار شمار ہوگا۔

اٹھارواں ضابطہ: سبیل الکسب الخبیث التصدق بہ اذا تعذر الرد علی صاحب الحق ''ناجائز طریقے سے کمایا ہوا مال اگر حقدار کو واپس نہ کیا جا سکے تو خیرات کر دینا چاہیے''۔

فقہاء نے اس قاعدے سے جو فروعی مسائل نکالے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے اگر ظلم اور رشوت سے مال جمع کیا ہو اور وہ مر جائے تو ورثاء کو اس مال سے پرہیز کرنا چاہیے اور اس سے کوئی چیز بھی نہ لینی چاہیے۔ یہ مال ان پر کسی قانون کی بنا پر حرام نہیں ہے بلکہ اخلاقی طور پر حرام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تو باز پرس ہوگی لیکن کوئی قاضی اس کے بارے میں فیصلہ نہیں سنا سکتا۔ ان کو چاہیے

کہ اگر انہیں اس کے حقداروں کا علم ہو جائے تو انہیں یہ مال واپس لوٹا دیں ورنہ خیرات کر دیں۔[1]

انیسواں ضابطہ | ما اجتمع محرم و مبیح الا غلب المحرم "جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام چیز غالب ہو گی" اس قاعدہ کے فروع میں سے ایک یہ ہے کہ اگر دو دلیلوں کا آپس میں تعارض واقع ہو، ایک دلیل سے حرمت لازم آتی ہو اور دوسری دلیل سے وہ شے مباح ہو، تو حرمت ہی کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسا کہ بعض علماء نے اس حدیث کا حوالہ دیا ہے:

لك من الحائض ما فوق الازار "حائضہ بیوی کے ساتھ ازار سے اوپر اوپر استمتاع کر سکتے ہو"

اصنعوا کل شیء الا النکاح "مباشرت کے سوا تم سب کچھ کر سکتے ہو"

پہلی میں ناف اور گھٹنے کے درمیان حرمت کا ذکر ہے۔ اور دوسری میں مباشرت کے سوا ہر چیز مباح کی گئی ہے۔ احتیاطاً حرمت ہی کو ترجیح دی جائے گی۔ یہی رائے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام مالک کی ہے۔ اسی طرح اگر شکار میں سدھائے ہوئے اور بے سدھائے کتے دونوں شریک ہو جائیں تو شکار حرام ہو جائے گا۔

بیسواں ضابطہ | اذا تعارض المانع والمقتضی، قدم المانع "اگر مانع اور مقتضی میں تعارض واقع ہو تو مانع کو مقدم رکھا جائے گا" اس کے فروع میں سے ایک یہ ہے کہ مثلاً وقت اور پانی اتنا نہ ہو کہ طہارت کی سنتیں ادا کی جائیں تو ان کا ادا کرنا ممنوع ہے۔ یا مثلاً اگر کوئی شخص اپنی چیز رہن رکھے یا کرایہ پر دے تو وہ اب اس پر کوئی تصرف کا حق نہیں رکھتا، حالانکہ اس کی ملکیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس میں تصرف کر سکے۔

اکیسواں ضابطہ | ہر وہ کام جس کے بار بار کرنے سے اس کی مصلحت بھی بار بار تازہ ہوتی ہو وہ مشروع علی الاعیان ہے تاکہ اس کی تکرار سے مصلحت میں اضافہ ہو اور جس فعل کی تکرار سے اس کی مصلحت کی تکرار نہ ہوتی ہو وہ مشروع علی الکفایہ ہے۔

اس قاعدے کے پہلے حصے کی مثال پنج وقتہ نماز ہے، کیونکہ یہ اللہ کی تعظیم، اس سے مناجات،

---

[1] رد المختار۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۵۔

[2] اس قاعدہ سے چند مسائل مستثنیٰ ہیں، دیکھیں الاشباہ ص ۱۴۶-۱۴۷۔ جلد اوّل طبع ۱۲۹۰ھ۔

اس کے حضور حاضری اور اس کے آداب سے متأدب ہونے کے لیے مشروع کی گئی ہے اور یہ سب حکمتیں اور مصلحتیں فعل نماز کی ہر تکرار کے ساتھ تازہ ہوتی ہیں۔ یہی قاعدہ فرض عین کی بنیاد ہے، اور اُن سب اعمال کی بنیاد ہے جو بجائے خود مطلوب ہیں، خواہ وہ صدقاتِ نافلہ کی طرح محض مندوب ہوں، فرض نہ ہوں۔

دوسرے حصے کی مثال ہے ڈوبتے ہوئے کو بچانا۔ اگر اس کام کے لیے کوئی نکل آئے تو مقصد پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کوئی سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتا رہے۔ اسی بنا پر شریعت اسے مشروع علی الکفایہ قرار دیتی ہے۔ اسی طرح ننگے کو کپڑے پہنانا، بھوکے کو کھانا کھلانا بھی مشروع علی الکفایہ ہے۔ جب کوئی یہ کام کر دے تو کافی ہے۔ سب لوگوں پر فرداً فرداً یہ کام لازم نہیں ہے۔ اسی پر دوسرے سُنن و مستحبات کو قیاس کیا جا سکتا ہے، مثلاً اذان کہ ایک شخص کا اذان دے دینا سب کے لیے کافی ہے۔ ہر ہر شخص کے اذان دینے سے اذان کی مصلحت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ (باقی)

COME LET US

CHANGE THIS WORLD

آئیے اس دنیا میں انقلاب برپا کریں!

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں سے اہم اقتباسات کا مرقع

انگریزی ترجمہ اور ترتیب۔ کوکب صدیقی

تحریکِ اسلامی کے معترضین کے اعتراضات کے مسکت جوابات۔ اسلامی انقلاب کے لیے فکری و عملی رہنمائی۔ مغربی تہذیب کے استیلاء نے دنیائے اسلام پر جو اثرات مرتب کیے ہیں اُن کا علمی تجزیہ۔ چھوٹے سائز میں تقریباً ۱۵۰ صفحات۔ قیمت تین روپے۔ عنقریب شائع ہو رہی ہے۔ منی آرڈر بھیج کر اپنی کاپی محفوظ کرا لیں۔

منشورہ ۱۶۳- سی- ۱۰
فیڈرل بی- ایریا- کراچی